درسِ نظامی برائے مدارسِ دینیہ پر ایک مذاکرہ

محکمۂ اوقاف شروع ہی سے اس امر میں کوشاں ہے کہ صوبے کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے عربی مدارس اور دینی دارالعلوموں کو ایک ایسے رشتے میں منسلک کیا جائے اور اُن کے ہاں مروجہ درسِ نظامی میں ایسی تبدیلیاں کی جائیں کہ ان مدارس کی تعلیمی و عملی افادیت بڑھ جائے اور اُن کے فارغ التحصیل قوم و ملک کی دینی قیادت کے ساتھ اس کو دنیوی ہدایت بھی دے سکیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے محکمۂ اوقاف کی طرف سے پیہم کوششیں ہوتی رہی ہیں، اس سلسلے میں محکمہ مذکور کے شعبۂ تعلیم نے حال ہی میں بعض ممتاز علمائے دین اور دانشور حضرات کو مدعو کیا جن کے اجتماع ۲۶ اور ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء کو سیکرٹریٹ پنجاب گورنمنٹ کے کمیٹی روم میں ہوئے۔ یہاں ہم ان دو اجتماعوں کی مختصر روئداد پیش کر رہے ہیں۔ (مدیر)

محکمۂ اوقاف نے درسِ نظامی پر علمائے کرام کا ایک مذاکرہ منعقد کیا۔ جس کا موضوع تھا۔ آیا درسِ نظامی میں جدید علوم شامل کرنے چاہئیں یا نہیں؟ مذاکرہ میں محکمۂ اوقاف کے مشیر تعلیم و مطبوعات اور ڈائرکٹر علما اکیڈمی نے جدید درسِ نظامی کا ابتدائی خاکہ پیش کیا تاکہ علمائے کرام کی تجاویز و ترمیمات کی روشنی میں اسے آخری شکل دی جاسکے۔ اس مذاکرہ میں مشہور علمائے دین اور دانشوروں نے حصہ لیا۔

اجلاس کی صدارت کے لیے ڈاکٹر رشید احمد جالندھری نے علامہ علاءالدین صدیقی کا نام پیش کیا۔ جناب صدرالدین صدیقی ڈپٹی سیکریٹری اوقاف نے اس کی تائید کی اور علامہ صاحب نے صدارت کی کرسی کو زینت بخشی۔ اجلاس کی کارروائی تلاوتِ کلام پاک سے شروع ہوئی۔ مولانا عبدالقادر آزاد تبلیغ آفیسر اوقاف نے تلاوت فرمائی۔ جناب ڈاکٹر رشید احمد جالندھری مشیر تعلیم و مطبوعات اوقاف نے اپنے افتتاحیہ کلمات میں کہا:۔

میں اپنے علمائے کرام کا ممنون ہوں کہ انھوں نے آج کی اس اہم تقریب میں شرکت کے لیے زحمت گوارا فرمائی لیکن اس سلسلے میں انھیں مبارکباد بھی پیش کرتا ہوں کیونکہ ملّی و قومی خدمت کا جذبہ

انھیں کشاں کشاں یہاں کھینچ لایا ہے۔ محکمۂ اوقاف دس سال سے مدارسِ دینیہ میں درسِ نظامی کی تنظیم کے سلسلے میں کوشش کر رہا ہے تاکہ جدید تقاضوں کے مطابق ایک ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو موجودہ دَور کے مطابق ہو اور وہ قدیم اور جدید کا حسین امتزاج ہو۔ نہ کہ ایسا جس کی بنا پر ایک طبقہ آگے اور ایک پیچھے رہ جائے۔ چنانچہ حالیہ صورتِ حال کو جس نے پڑھے لکھے طبقہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، ختم کر دیا جائے اور اس طریق سے حکومت سے اپنی سندات کا اعتراف کرانے کی کوشش کی جائے جیسا کہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کی سندات کا حکومت اعتراف کر چکی ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ درسِ نظامی کی ترتیب کے لیے ۱۹۶۱ء میں جو کمیٹی ممتاز علماء پر مشتمل تھی، اس کمیٹی کے بعض معزز ارکان اس وقت بھی موجود ہیں۔ مثلاً علامہ علاء الدین صدیقی، قاضی نورالحق ندوی، مولانا سعید احمد کاظمی اور ڈاکٹر سلیم فارانی۔ اب ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آیا درس نظامی میں جدید علوم شامل ہونے چاہئیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ آیا سرکاری ملازمتوں کے دروازے درس نظامی سے فارغ التحصیل طلبہ کے لیے مسلسل بند رہنے چاہئیں یا انھیں بھی آج کے پاکستان میں اُن پر کھل جانا چاہیے؟ چنانچہ ہم نے اپنے نصاب میں سرکاری سکولوں اور کالجوں میں پڑھائے جانے والے مضامین کو درس نظامی کے ساتھ اکٹھا کر دیا ہے تاکہ اس طریق سے ہم اپنی سندات کا سرکاری طور پر اعتراف کرا سکیں۔ لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہاں یہ امر زیرِ بحث نہیں ہے کہ آیا کالجوں میں پڑھائے جانے والے جدید علوم کس حد تک صحیح انداز سے پڑھائے جا رہے ہیں۔ ایسے ہی ہم نے درس نظامی کی مروجہ کتابوں سے بحث نہیں کی ہے۔ البتہ ان کے ساتھ ساتھ عربی ادب کی دوسری مستند کتابیں بھی تجویز میں رکھ دی ہیں اور ایسے ہی برِّ صغیر ہند و پاک کے ممتاز عالم شاہ ولی اللہ دہلوی یا علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کی تصانیف کو بھی اپنایا ہے۔ لیکن اس نصاب کا آخری خاکہ معزز حضرات کی تجویزوں کی روشنی میں تیار کیا جائے گا۔

مولانا امین الحق صاحب زونل خطیب لاہور نے بحث کا آغاز فرماتے ہوئے کہا:۔ مجھے اس امر سے قطعی اختلاف نہیں کہ درس نظامی میں جدید علوم شامل کیے جائیں۔ البتہ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ درس نظامی کی کامیابی کا راز پڑھانے والے اساتذہ پر موقوف ہے۔

مولانا شمس الحق صاحب افغانی (جامعہ اسلامیہ بہاول پور) نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

یہ جو نصاب مرتب کیا گیا ہے، معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ خود مقصد ہے یا ذریعہ - پھر ہمارا نصب العین ڈگری یا روٹی ہے یا کچھ اور - سندات کا حاصل کرنا یا حکومت سے اس کا اعتراف اس لیے کرانا کہ فضلا کی معاشی مشکلات حل ہو سکیں لیکن یاد رہے کہ علم کی شان بہت بلند ہے - کہیں ایسا نہ ہو کہ معاشی طور پر علم اور تعلیم سمٹ سمٹا کر روٹی میں آجائے - علم کا اصل مقصد ذہنی قوتِ تخلیق ہے اور علم کا کام جِلا اور روشنی پیدا کرنا ہے تاکہ جس چیز پر دماغ تعلیم سے پہلے قادر نہ ہو، بعد میں اس پر قادر ہو جائے - ذہنی قوتِ تخلیق کے نتائج یورپ اور امریکہ میں مادی شکل میں ظہور پذیر ہوئے - امام اعظمؒ نے کتاب وسنت سے ۹ لاکھ مسائل مرتب کیے - اب ۹ سو قوانین کا استنباط بھی مشکل ہے -

اگر نصاب کا مقصد معاشی حل ہے تو اس کے لیے ہمارے کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہیں - کثرتِ معلومات تو صرف چند ایک کتابوں کو اکٹھا کر کے مہیا ہو سکتی ہیں - اس کو تصنیف نہیں کہا جاتا بلکہ اسے تجدیدِ قرطاس کہہ سکتے ہیں - تصنیف اور تخلیقی معلومات وہ ہیں جو دماغ کے تخیل سے مہیا اور مرتب کی جائیں اور یہ ایک بڑا اہم اور مشکل مسئلہ ہے -

درسِ نظامی شاہ ولی اللہ سے پہلے مرتب ہوا - اس نے اپنا مقصد پورا کیا یا نہیں ؟ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس سے وابستہ مقاصد پورے ہوئے - شاہ ولی اللہؒ اور ان کے چار صاحبزادوں نے اسی درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی - اسی کو پڑھایا اور ان کے مقام کو دنیا تسلیم کرتی ہے - شاہ صاحب کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" مشہور کتاب ہے - کرہ ارضی پر اس کے پایہ کی پہلے سے کوئی کتاب نہیں - شاہ رفیع الدین نے بھی یہی درسِ نظامی پڑھا اور تعلیم دی - مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تصنیف پر بھی غیر مذہب حکومت نے مقالہ لکھنے کے لیے انعام مقرر کیا - اس نصاب کے دو حصّے تھے - ایک عقلی اور ایک نقلی - الغرض درسِ نظامی کے دو حصّے ہیں - ایک کتاب وسنت سے تعلق رکھتا ہے - چونکہ خدا غیر متبدل ہے اس لیے خدائی تعلیم بھی غیر متبدل ہے -

اس نصاب کا دوسرا حصّہ عقلی ہے جس کی تصحیح ضروری ہے -

ہارون رشید اور مامون رشید کے ادوار میں یونانی فلسفہ کو گھر گھر پہنچایا گیا اور مسلمانوں نے اسے شوق سے پڑھا، جو کہ کافروں کا مرتب کردہ تھا - اس سے ظاہر ہوا کہ مسلمان قدامت پسند نہیں -

چنانچہ فلسفہ جدید اور سائنس میں اصلاحی قسم کا اضافہ ہونا چاہیے۔ عرب ممالک یعنی لبنان اور عراق میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ بھی شامل نصاب ہونی چاہئیں۔ منطق کی بعض کتابیں غیر ضروری ہیں، انھیں نصاب میں نہیں آنا چاہیے۔

دینی علوم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں دنیاوی علوم سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے علما کا فرض ہے کہ وہ سائنس اور اقتصادی، جغرافیائی، معاشرتی علوم سے بھی طلبا کو بہرہ ور کریں اس کی نسبت اس طرح ہونی چاہیے کہ ۷۵ فیصد دینی تعلیم دی جائے اور صرف ۲۵ فیصد دنیاوی تعلیم دی جائے۔ لیکن دنیاوی تعلیم کو بالکل چھوڑنا نہیں چاہیے کیونکہ معاشی مسائل کے لیے جغرافیائی اور سائنسی علوم حاصل کرنا اور اس نصاب سے ماحول میں رابطہ پیدا کرنا ضروری ہے۔

مولانا سید احمد سعید کاظمی (جامعہ اسلامیہ بہاول پور) نے اپنی تقریر فرمایا کہ آیا:۔

۱۔ یہ نصاب صرف محکمۂ اوقاف کے مدارس کے لیے ہے یا دیگر مدارس کے لیے بھی؟

۲۔ اگر یہ نصاب دیگر مدارس کے لیے بھی ہے تو اس کے اخراجات اور نگرانی اوقاف کرے گا، یا نہیں؟

۳۔ کیا حالیہ نصاب طلبہ کے لیے بوجھل تو نہیں بن جائے گا؟

۴۔ میری تجویز یہ ہے کہ درسِ نظامی سے فارغ التحصیل طالب علموں کے لیے ایک سال یا دو سال کا کورس مقرر کیا جائے، جس میں نئے علوم ہوں جو وقت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوں۔

حافظ نذر محمد صاحب (شبلی کالج لاہور) نے اپنی تقریر میں یہ سوالات اُٹھائے:۔

۱۔ نصاب جو جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں رائج ہے اس کے ہوتے ہوئے یہ نیا نصاب کیوں تیار کیا گیا؟

۲۔ سندات تسلیم کرانے کا کیا مقصد ہے؟

۳۔ نصاب کے مقاصد؟

اسلامی تعلیم کا مقصد اچھے مفکر، مدرس، مبلغ، ائمہ پیدا کرنا ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس میں ردّ و بدل کیا جائے۔ موجودہ نصاب میں ایسی کتابیں ہیں کہ ان پر ایک سال میں عبور حاصل کرنا مشکل ہے۔ اگر دوسرے نصابوں کی طرح صرف سندات ہی حاصل کرنی ہیں تو اس کا کوئی فائدہ

نہیں ہے۔ دینی تعلیم میں تمام نصاب پر شروع سے آخر تک عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب طاہر سورتی (ادارہ تحقیقاتِ اسلامی۔ اسلام آباد) نے ان امور کی طرف توجہ دلائی :۔

ہم کو دینی اور دنیاوی دونوں علوم میں اتنا تیز رفتار ہونا چاہیے کہ ہم دنیا میں اور آخرت میں نجات حاصل کر سکیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے : خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ہم حسن کی طرف چلیں کیونکہ حسن طریقوں پر چل کر ہی ہم احسن تک پہنچ سکتے ہیں۔ حسن کو چھوڑ کر احسن تک پہنچنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس طرح حسن اور احسن دونوں ادھورے رہ جاتے ہیں۔ جماعت ششم کی بجائے ہمیں پہلی دوسری تیسری جماعتوں سے قرآن مجید پڑھانا چاہیے۔ میٹرک تک ہم عربی اس طرح آسانی سے بول سکیں گے جیسے انگریزی۔ موجودہ قاعدے (عربی کے) ناکافی ہیں ان کو بھی بدل دینا چاہیے۔

مولانا سید حامد میاں صاحب (جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور) نے فرمایا۔ حالاتِ حاضرہ کے تحت جو نصاب میں اضافہ کیا گیا ہے، اگر وہ محکمہ اوقاف کے مدارس میں رائج کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ کامیاب و کارگر ہو لیکن دوسرے دینی مدارس میں یہ تبدیلی ممکن العمل نہیں۔ اگر محکمہ اوقاف اس نصاب کو دیگر دینی مدارس میں چلانا چاہے تو اس کے لیے اوقاف کو اساتذہ اور کتابوں کے اخراجات برداشت کرنے ہوں گے تو ہو سکتا ہے کہ محکمہ اوقاف کامیاب رہے۔ عربی مدارس کے طلبہ کو جدید علوم حاصل کرنے کا شوق بھی ہے اور ان کے پاس وقت بھی ہے۔ حساب، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ پر عبور حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان علومِ جدیدہ کو پڑھانے کا خرچ اوقاف کو برداشت کرنا چاہیے۔

حافظ احمد یار صاحب (شعبۂ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی) نے اپنی تقریر میں ایف اے کے نصاب کو غیر مناسب قرار دیا اور کہا کہ اس طریق سے دینی اہمیت گھٹ گئی ہے۔ فلسفہ، تاریخ اسلام جغرافیہ عربی میں ہونا چاہیے، ایسے ہی اردو کے مضامین عربی کے برابر آ گئے ہیں جو کسی طور پر بھی مناسب نہیں۔

ان تقریروں کے بعد آخر میں ڈاکٹر رشید احمد نے معزز مقررین کے سوالات کے جوابات دیے۔

آپ نے کہا کہ یہاں یہ امر زیر بحث نہیں ہے کہ تعلیم و تربیت کا مقصد کیا ہے ؟ اس لیے اصلی موضوع ہی کو زیر بحث لایا جائے اور اب تو مولانا افغانی نے یہ بات بھی صاف کر دی ہے کہ تعلیم کا مقصد ذہنی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنا اور قوتِ تخلیق کو نشو و نما دینا ہے ۔ مَیں اس پر یہ اضافہ ضرور کروں گا کہ اگر کوئی بھی نظامِ تعلیم زندگی کی مشکلات کو حل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کی افادیت یقیناً مشکوک ہے ۔ باقی مولانا کاظمی صاحب نے فرمایا ہے کہ حالیہ نصاب شاید بوجھل ہو، مزید یہ کہ فارغ التحصیل دینی طالب علموں کے لیے دو سال کا کورس تیار کیا جائے ، مجھے ذاتی طور پر اس رائے سے اتفاق ہے کہ حالیہ نصاب طالب علموں کے لیے بوجھل ہو سکتا ہے ۔ اب یہ کام معزز حضرات علما کا ہے کہ اسے ہلکا بنانے کے لیے مجوزہ کتابوں میں سے بعض کتابوں کو حذف کر دیں ۔ جہاں تک دو سال کے کورس کا تعلق ہے اس سے ہماری حالیہ مشکل حل نہیں ہوگی ۔ حکومت دینی مدارس کی سندات کا اعتراف نہیں کرے گی ۔ اور اس طریق سے جدید اور قدیم کی خلیج کو پاٹنے میں کوئی مؤثر امداد نہیں ملے گی ۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ۱۹۲۵ء میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری مرحوم و مغفور نے بھی تجویز پیش کی تھی لیکن بہاول پور کے وزیر تعلیم میجر شمس الدین اس سے پہلے ہی جامعہ عباسیہ کا منصوبہ تیار کر چکے تھے ۔

حافظ نذر محمدؒ نے پوچھا ہے کہ جامعہ اسلامیہ کے نصاب کے ہوتے ہوئے حالیہ نصاب کیوں وضع کیا گیا ؟ عرض ہے جامعہ اسلامیہ کا نصاب اپنی پوری افادیت کے باوجود ہمارے ملک کے علمائے کرام کی توجہات کا مرکز نہیں بن سکا ۔ اس لیے محکمہ اوقاف کی یہ پُرانی خواہش رہی ہے کہ علمائے کرام کا تعاون ہر قیمت پر حاصل کیا جائے ۔ چنانچہ حالیہ مجوزہ نصاب صرف ایک ابتدائی خاکہ ہے علمائے کرام کی ترمیمات کی روشنی ہی میں اسے آخری شکل دی جائے گی ۔

جہاں تک جدید علوم کو پڑھانے کے لیے اخراجات کا تعلق ہے تو اس کا جواب جناب ناظمِ اعلےٰ صاحب ہی دے سکیں گے جو کل کے اجتماع میں تشریف لائیں گے ۔ آج وہ اپنے سابقہ پروگرام کے تحت گوجرانوالہ چلے گئے ہیں ۔

مولانا سورتی نے کہا ہے کہ بچوں کو پہلی جماعت ہی سے قرآن مجید کی تعلیم دینی چاہیے ۔ اس بات کا فیصلہ علمائے کرام سے تعلق رکھتا ہے ، ویسے میری ذاتی رائے وہی ہے جو علّامہ ابن خلدون کی ہے کہ بچوں کو عربی کی ابتدائی تعلیم دلائے بغیر قرآن مجید کی تعلیم دینا مناسب نہیں ہے ۔ علّامہ ابن خلدون کی رائے ان بچوں

کے بارے میں ہے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ ہماری تو مادری زبان بھی عربی نہیں۔ اس لیے بہت سوچ سمجھ کر اس سلسلہ میں کوئی قدم اُٹھانا چاہیے، محض جذبات سے کام نہیں چلے گا۔ بہرنوع آپ حضرات کے پاس مجوزہ درسِ نظامی کا ایک ایک نسخہ موجود ہے۔ اس میں جو چیز بھی قابل اصلاح ہے، اس کی اصلاح کیجیے۔

ڈاکٹر رشید احمد کے بعد علامہ علاءالدین صدیقی نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ آج مسلمان عالمی اور قومی سطح پر ایک صحت مند قیادت کو پیدا کرنے میں نا کام رہے ہیں۔ ہماری راہ خطرات و مہالک سے پُر ہے، ہمارا یہ فرض ہے کہ وقت کے جدید تقاضوں کو سمجھیں اور جدید نصاب کو تیار کریں۔ میں، جن کے ذمے آپ حضرات نے کئی ہزار طالب علموں کی چوکیداری کا کام سپرد کر رکھا ہے، پورے اخلاص کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے بارے میں بہت ہی سوچ بچار کے بعد جلد کوئی قدم اٹھانا چاہیے —— علامہ صاحب کی تقریر کے بعد اجتماع ختم ہو گیا اور شرکائے اجتماع کھانے کے لیے علما اکیڈمی بادشاہی مسجد تشریف لے گئے۔

دوسرا اجلاس

بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء

مولانا محمد عبدالقادر آزاد نے تلاوتِ کلام سے درس نظامی پر مذاکرے کی دوسری نشست کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد جناب ناظمِ اعلیٰ اوقاف نے شرکا سے خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا:-

میں آپ سب علمائے کرام اور دانشور حضرات کا تہ دل سے ممنون ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس کارِ خیر میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ آج اجلاس میں جو چیز زیرِ غور ہے، وہ یہ ہے :- دینی مدارس میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی بھی تدریج ہو سکے تاکہ دینی مدارس کا فارغ التحصیل معاشرے کے ہر شعبے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

دینی مدارس، جو موجودہ تعلیم دے رہے ہیں، اُسے ملحوظ خاطر بھی رکھنا چاہیے۔ (رائج الوقت) کے پیشِ نظر یہ چیز رہنی چاہیے کہ صرف یہی تعلیم حاصل کرنے سے اور مخصوص دینی اداروں سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے طلبہ باقی پہلوؤں سے تشنہ رہ جاتے ہیں۔ محکمۂ اوقاف دینی اداروں کے ساتھ پوری ہمدردی کے ساتھ تعاون کرنا چاہتا ہے۔ یعنی ہماری حیثیت صرف ایک رابطے کی سی ہو گی۔ اس میں میری رائے یہ ہے کہ آپ یعنی علمائے کرام قدیم اور جدید نصاب کا خاکہ تیار کریں اور پھر دیکھیں کہ قدیم نصاب میں

کس کس نئی کتاب کی ضرورت ہے اور ایک اسلامی بورڈ قائم کریں جس کے پاس تحریری طور پر شرکائے اجلاس کی تجویزیں پہنچ جانی چاہئیں اور پھر یہ مجوزہ بورڈ ایک اجلاس منعقد کرے اور جدید علوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درسِ نظامی کو غیر جانبدارانہ طور پر مرتب کرے جو کہ متفقہ طور پر قابلِ قبول ہو۔
موجودہ نصاب مرتب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبا بھی جدید تعلیمی مدارس کے طلبا کے شانہ بشانہ کام کر سکیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اس نیک کام کی جانب ہمیں ضرور قدم اٹھانا چاہیے۔ ہم باہمی اشتراکِ عمل سے اچھا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ اب محکمہ اوقاف سے صرف جامعہ اسلامیہ ہی منسلک ہے اور بورڈ بھی اسی سے منسلک ہوگا۔ میری رائے یہی ہے کہ اس تھوڑے سے وقت میں ہم کوئی راہ متعین کر کے اس پہ گامزن ہو کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔
اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا نور الحق ندوی نے مسائلِ زیرِ نظر پہ اظہارِ خیالات کرتے ہوئے فرمایا۔ ہمارے پاس قرآن حدیث اور فقہ قیمتی متاع ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو ضائع نہ کریں اور اپنی اپنی تجاویز مجوزہ بورڈ کے پاس (جس کو ہم متفق رائے سے تشکیل دیں) بھیج دیں تاکہ ان کی روشنی میں جس پہ اکثریت متفق ہو، اس نصاب کو آخری شکل دے دیں۔ اس طرح ہمارا یہ قدم مستحسن ہوگا اور بنیادی چند باتوں کا فیصلہ بھی بورڈ خود طے کرے گا۔

اس پہ مولانا شمس الحق افغانی نے یہ رائے دی:۔ دینی یا دنیاوی علوم کی تفریق یورپ کی پیدا کردہ ہے، جس کو ہم اپنا رہے ہیں۔ دینی علوم میں یونانی فلسفہ جو دنیاوی علم ہے جس حد تک بیکار ہے اس کی جگہ سائنس کی تعلیم عربی مدارس میں رائج کر دی جائے لیکن علمائے کرام درسِ نظامی میں ایسی تبدیلی نہیں چاہتے، جس سے کہ ہم اسلامی روح سے دُور ہو جائیں۔

جناب جعفر قاسمی صاحب نے فرمایا:۔ درسِ نظامی کی ترمیم کا کام علمائے کرام پر چھوڑ دیا جائے لیکن میں علما سے گزارش کرتا ہوں کہ اس ترمیم میں انگریزی کو بالکل دُور رکھیں۔ یعنی یہ بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ جو علمائے کرام انگریزی پڑھنا چاہیں۔ وہ درسِ نظامی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پڑھ سکتے ہیں مجھے توقع ہے کہ وہ ایک سال میں عبور حاصل کر سکتے ہیں اور پھر اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ حالیہ نصاب کو ہر چند بڑے خلوص اور محنت سے مرتب کیا گیا ہے، لیکن یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ

انگریزی کو تو نصاب میں لازمی قرار دیا گیا ہے مگر فارسی کو اس کا جائز مقام دینے سے گریز کیا گیا ہے یعنی فارسی کو اختیاری مضمون میں رکھا گیا ہے۔ بہر نوع نئے نصاب میں انگریزی زبان کو نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ ادیان کا تقابلی مطالعہ بھی نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ عیسائی مشنریوں کا صحیح طور پر مقابلہ کیا جا سکے۔ جناب جعفر قاسمی صاحب نے یہ بھی کہا کہ معیاری دینی مدارس کی سندات کا بلا تاخیر اعتراف کیا جائے۔ نیز یہ کہ کالجوں کا حالیہ طرز تعلیم یکقلم ناقص ہے۔

مولانا عبدالرشید صاحب ارشد نے جناب جعفر قاسمی صاحب کے خیالات سے مکمل اتفاق کیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ یہ جو مجوزہ نصاب محکمہ اوقاف نے مرتب کیا ہے اس کی پہلی ٹیم چودہ سال میں تیار ہوگی جو کہ بہت زیادہ عرصہ ہے۔ جدید تعلیم سے انگریزی تعلیم ہی مراد نہیں ہونی چاہیے۔ آخر میں میں پھر یہ دہرانا چاہتا ہوں کہ انگریزی زبان سے مجھے قطعاً نفرت ہے اور ہم سب کو ہونی بھی چاہیے کیونکہ یہ ان کی زبان ہے جنھوں نے ہمیں ڈیڑھ سو سال غلام رکھا۔ نصاب کی جو کتاب بھی ہو عربی زبان میں ہونی چاہیے خواہ وہ کوئی مضمون ہی کیوں نہ ہو۔ نصاب میں دوسرے ادیان کے تقابلی مطالعے پر بھی آپ نے زور دیا۔

جناب مفتی محمود صاحب (ناظم وفاق المدارس العربیہ): آپ نے درس نظامی کو دورِ جدید کے مطابق رائج کرنے کی ضرورت پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی علوم پر بھی عبور حاصل کریں۔ بشرطیکہ درس نظامی میں تبدیلی دین کی روح سے دور نہ لے جائے۔ لیکن یہ کہنا کہ درس نظامی (جو اس وقت رائج ہے) یکقلم فرسودہ ہے تو یہ مناسب نہیں کیونکہ شاہ ولی اللہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر مشائخ نے جن کی بدولت ہندوستان میں دین پھلا پھولا، اسی درس نظامی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ موجودہ نصاب میں منطق کی کتابوں کو کم رکھا گیا ہے، جس سے مجھے اختلاف نہیں، لیکن علم ہیئت کی کوئی کتاب نہیں رکھی گئی، حالانکہ اس کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ہمارے قدیم سرمایہ سے مثلاً امام رازی کی تفسیر میں علم ہیئت کی اصطلاحیں آتی ہیں، جن سے آشنا ہونا ضروری ہے لیکن یہ بات بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ہماری توجہ کے مستحق نہ صرف دینی مدارس ہیں بلکہ دوسرے کالج اور اسکول بھی ہیں بلکہ یہ زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ کیونکہ ہمارے دینی مدارس سے اگر سال میں ایک طالب علم فارغ ہوتا ہے تو دنیاوی مدارس سے لاکھوں طلبا فارغ ہوتے ہیں۔ ہمیں اس ایک طالب علم کی بجائے ان لاکھوں کے بارے میں کوئی ٹھوس

قدم اٹھانا چاہیے تاکہ وہ دین سے بہرہ ور ہوسکیں۔ ہر چند ہمیں یہاں تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں لیکن اس دنیاوی بھوک اور پیاس کی فکر نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ کوشش کرنی چاہیے کہ جو ہماری جاوِدانی زندگی ہے، اس میں کسی قسم کی ہمیں بھوک پیاس نہ رہے۔ باقی نصاب میں تبدیلی ضرور ہونی چاہیے لیکن یہ تبدیلی اضافہ کے ساتھ ہو۔ اس میں ایسی کمی نہ کی جائے جس سے ہمارا رشتہ ماضی سے ٹوٹ جائے۔ جناب مفتی صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں دوسرے ادیان کے مطالعہ پر زور دیا۔

مفتی صاحب کے بعد آخر میں ڈاکٹر رشید احمد نے کہا کہ مقام مسرت ہے کہ نصاب کے بارے میں علمائے کرام نے سلجھے ہوئے انداز میں اظہار خیال کیا ہے اور اس طرح سے فرمان رسول علیہ السلام اختلاف علماء امتی رحمۃ، کا عملی نمونہ ہم نے یہاں دیکھا ہے۔ یہاں انگریزی زبان کو خارج کرنے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے بارے میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہم ایک ہی بات میں دو متضاد باتیں کر رہے ہیں۔ ایک طرف یہ مطالبہ ہے کہ دوسرے ادیان کا مطالعہ کیا جائے اور دوسری طرف یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ انگریزی زبان کو نصاب سے دور کیا جائے۔ کیا مغربی زبانیں، جرمن، فرنچ یا انگریزی پڑھے بغیر دوسرے ادیان کا مطالعہ ہوسکے گا؟ نیز یہ کہنا کہ انگریزی پڑھنے سے دینی روح کمزور ہو جاتی ہے۔ اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ ہمیں اپنے خیالات عقائد اور افکار پر اعتماد نہیں ہے، اگر ڈاکٹر رادھا کرشنن (سابق صدر جمہوریہ ہندوستان) انگریزی پڑھ کر مغربی دنیا میں ہندو دھرم کی دھاک بٹھا سکتا ہے تو مسلمان ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ اس مسئلے پر جذبات سے الگ ہو کر غور و فکر کیا جائے مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اپنے ماحول سے بے خبر نہ رہیں، اور دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانے کے لیے دوسروں کی زبان پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ڈاکٹر رشید احمد کی تقریر کے بعد اجلاس میں متفقہ طور پر جناب ناظم اعلیٰ کی تجویز پر ایک بورڈ کی تشکیل کی گئی جس میں ہر مکتب فکر کے دو دو علمائے کرام کا نام تجویز کیا گیا۔ اس بورڈ کے صدر جناب مفتی محمود صاحب ہوں گے اور کنوینر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری صاحب۔

مجوزہ بورڈ کے ارکان اپنی اپنی تجاویز تحریری طور پر کنوینر جناب ڈاکٹر رشید احمد جالندھری۔ (مشیر تعلیم و مطبوعات اوقات) کو پندرہ دن کے اندر اندر بھیج دیں گے اور اس کے بعد بورڈ کے اجلاس میں پھر ان تحریری تجاویز پر غور و خوض ہوگا اور آخری شکل دی جائے گی۔

اس بورڈ کے لیے مندرجہ ذیل ارکان کا تقرر کیا گیا :۔

۱۔ جناب مفتی محمود صاحب	.. .. ..	صدر
۲۔ جناب مولانا شمس الحق صاحب افغانی	.. ..	ممبر
۳۔ مولانا سیّد احمد سعید صاحب کاظمی	.. ..	ممبر
۴۔ مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی	.. ..	ممبر
۵۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری	.. ..	ممبر
۶۔ مولانا عبید اللہ صاحب	.. ..	ممبر
۷۔ مولانا عطا محمد صاحب	.. ..	ممبر
۸۔ مولانا محمد حنیف ندوی صاحب	.. ..	ممبر
۹۔ مولانا محمد صدیق صاحب لائل پور	.. ..	ممبر
۱۰۔ مولانا عبداللہ صاحب گوجرانوالہ	.. ..	ممبر
۱۱۔ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری	.. ..	کنوینر

اسلامی جمہوریّت

(مولانا رئیس احمد جعفری)

ملوک وسلاطین کا زمانہ گزر گیا اور موجودہ دور سلطانیٔ جمہور کا زمانہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ درحقیقت جمہوریت کیا ہے ؟ اس کی تعریف کیا ہے ؟ اور اس کے حدود و خصائص کیا ہیں ؟ یہ کس طرح بروئے کار آتی ہے اور اس کا تحفظ کس طرح کیا جاتا ہے ؟ دنیا نے اس کا جواب مختلف انداز میں دیا ہے لیکن اسلام نے جس جمہوریت کا خاکہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس پر عمل کر دکھایا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل منفرد اور یکتا ہے۔ اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ اسلامی جمہوریت کی وضاحت کی گئی ہے۔

قیمت : ۹/- روپے

ملنے کا پتہ :۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور